"خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں"

حکیم الاُمّت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کے ایک شعر کی تشریح

از سید عبدالعزیز بخاری

علامہ اقبالؒ کا کلام عشق و محبت اور سوز و گداز سے لبریز ایک الہامی کلام ہے۔ جس کی تاثیر سے نہ صرف قلوب میں سوز و گداز اور رقت پیدا ہوتی ہے بلکہ انسان زندگی کے بلند مقاصد سے آگاہی حاصل کرکے خود شناسی اور خدا شناسی کی منزل کی طرف رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

مندرجہ بالا شعر میرے خیال میں علامہ کے کلام کے مرکزی خیال کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے میں بطور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جس سے اس شعر کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

علامہ مرحوم نے نہ صرف مغربی فلسفہ اور مغربی تہذیب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا بلکہ انہیں اسلامی تعلیمات اور اسلامی فلسفہ و حکمت پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ وہ گہرے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ مسلمان قوم کے زوال کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب اس کی خود فراموشی اور مردہ دلی ہے۔ اس قوم میں وہ احساسِ خود شناسی' وہ عزم و ہمت' وہ جوش و ولولہ ماند پڑ گیا ہے اور اس عشق و محبت کی گرمی سرد پڑ گئی ہے جس سے دل کی زندگی عبارت ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ!

حکیم الامت نے دلِ مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے کا نسخہ عشقِ حقیقی یعنی خدا اور رسول

کے ساتھ شدید محبت قرار دیا ہے جو ان کے کلام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس نظریہ کی تائید قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے جن سے بخوفِ طوالتِ مضمون صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔ الغرض علامہ موصوف کے نزدیک عشق حقیقی سے ہی افراد اور قوموں کی زندگی استوار ہوتی ہے جس سے حقیقی زندگی کے فوارے پھوٹ پڑتے ہیں۔ آپ نے مغربی فلسفہ و تہذیب کے طوفانِ بلاخیز سے ملتِ اسلامیہ کی کشتی بچانے کے لئے عقل کے مقابلہ میں عشق حقیقی کی چاشنی سے مسلمانوں کے قلوب کو آشنا کیا اور یہ اعلان کیا کہ۔

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے ز بغاوت خرد است!!

یعنی عشق کی ولایت (ملک) سے میں ایک نئی فوج تیار کر رہا ہوں کیونکہ حرم میں عقل کی بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے جابجا عقل و عشق کا موازنہ کرکے عشق کو عقل پر ترجیح دی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

۱) عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

۲) گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

۳) عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

۴) بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۵) عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

ان اشعار سے آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ علامہ کے نزدیک عقل سے محض گمان اور عشق

سے یقین حاصل ہوتا ہے۔ عقل اک چراغ راہ تو ہے جس سے راستہ دکھائی دیتا ہے مگر منزل کا اسے کچھ پتہ نہیں۔ انسان کی منزل حقیقی یعنی ذات و صفاتِ الٰہی تک عقل کی رسائی ممکن نہیں کیونکہ عقل محدود ہے اور ذات و صفات لامحدود۔ بے شک عقل اس ساری کائنات کی گتھیاں سلجھا سکتی ہے۔ ستاروں پر کمند ڈال سکتی ہے۔ مہ و پروین کا شکار کر سکتی ہے۔ مگر بالآخر اس کی ایک حد ہے جس سے آگے یہ نہیں جا سکتی۔ جیسے شب معراج حضرت جبرئیل سدرۃ المنتہٰی پر جا کر رک گئے تھے اور شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں اپنے عجز کا یوں اظہار کیا تھا۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلیٰ بسوزد پرم!!

اس مقام سے آگے عشق کی پرواز شروع ہوتی ہے جس کے جنون کے صحرا کی بے انتہا وسعتوں میں عقل ایک بے بس شکار کی مانند ہے بقول علامہ اقبال مرحوم۔

در دشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ!!

گویا حقیقت الحقائق کے ادراک میں جہاں عقل کی انتہا ہے وہاں سے عشق کی ابتدا شروع ہوتی ہے۔ اس تمہید کے بعد اب اصل شعر کا پھر سے مطالعہ کرتے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

آیئے۔ سب سے پہلے ہم کلمہ لا الٰہ کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ ہمارے عقیدۂ توحید اور اسلام کی بنیاد ہے جس کا لفظی اور سادہ سا مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود یعنی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس میں سب سے پہلے تمام جھوٹے خداؤں' دیوتاؤں اور معبودوں کی نفی کی گئی ہے' پھر صرف اللہ وحدہ' لاشریک کے الٰہ یا معبود ہونے کا اثبات ہے اگر غور کیا جائے تو یہ کلمہ لا الٰہ محض ایک کلمہ یا گفتار نہیں ہے بلکہ یہ ایک زبردست باطل شکن قوت اور ننگی تلوار کی مانند ہے جو ہر ماسوا کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے وہ سرے سے اس قابل ہی نہیں

کہ ایک مسلمان اپنی جبین نیاز اس کے سامنے جھکائے۔ کوئی بڑے سے بڑا شہنشاہ' بڑے سے بڑا فرعون و نمرود' کوئی بڑی سے بڑی دنیاوی طاقت' خواہ امریکہ ہو یا روس یا بھارت۔ ان سے ایک مسلمان دب کر نہیں رہ سکتا۔ نہ ان کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو سکتا ہے۔ کلمہ لاالٰہ ۔۔۔ان سب طاغوتی طاقتوں کا قلع قمع کر کے رکھ دیتا ہے۔ ایک مسلمان کی نگاہ میں بڑائی کا تصور صرف ایک ہے اور وہ ہے ۔۔۔۔ اللہ رب العالمین کا ۔۔۔۔ وہ اپنے اس عقیدہ کو پانچ وقت کی نمازوں میں دہراتا ہے اور پکار پکار کر کہتا ہے۔ اللّٰہ اکبر۔ اللّٰہ اکبر۔ یعنی اس ساری کائنات میں صرف اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ باقی سب اصغر یعنی چھوٹے ہیں۔ پس کلمہ لاالٰہ کا مفہوم صرف یہ نہیں ہے کہ صرف پتھر کے بنے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے بلکہ اس کے مفہوم میں دنیا کی ہر طاقت خواہ وہ انسانوں کی ہو' جنوں یا شیاطین کی' حیوانوں کی ہو یا خود اپنے نفسانی خواہشات کی سب کے سب بت ہیں جن کے سامنے جھکنا انسانیت کی توہین اور اشرف المخلوقات کی تذلیل ہے۔ اس کلمہ کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی حاجت روا ہے نہ حاکم مطلق۔ اس کائنات میں اسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔ خیر و شر موت و حیات کا مالک وہی ہے۔ وہی نافع و ضار ہے۔ اس کے اذن کے بغیر نہ تو کوئی کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ نہ ہی کوئی اور زندگی اور موت دے سکتا ہے۔ ساری مخلوق کے رزق کی کنجی اسی کے پاس ہے۔ جسے وہ دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے وہ روک دے اسے کوئی کچھ دے نہیں سکتا۔ وہی مالک' وہی خالق' وہی رازق' وہی حاکم' وہی معبود' وہی مسجود' وہی مطلوب' وہی مقصود' وہی مرض کی شفا' وہی درد کی دوا' وہی حاجت روا اور وہی مشکل کشا ہے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کلمہ لاالٰہ الا اللہ جب کسی انسان کے دل میں اتر جائے اور اس کی رگ و پے میں سما جائے تو پھر کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں ایک انقلاب آجاتا ہے۔ اس کا مطمح نظر بدل جاتا ہے۔ اس کے اندر ایک نئی روح' نئی زندگی پھونک دی جاتی ہے' وہ پستی سے نکل کر بلندی پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اس میں خود شناسی' خود داری اور بلند نگاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے'

موت کے ساتھ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک "مردِ حر" یعنی تمام قسموں کے بندھنوں سے آزاد مرد بن جاتا ہے اس کی زندگی کا مقصد صرف حق کا بول بالا کرنا اور باطل کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا ہے۔ غیر اللہ کی بندگی سے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ تمام دنیا کو آزاد کراتا ہے۔ یہی وہ نکتہ توحید ہے جس پر عمل کرنے سے ایک خدا' ایک رسول' ایک قرآن اور ایک کعبہ کو ماننے والی امتِ مسلمہ کا وجود ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جو ساری انسانیت میں ابن آدم ہونے کے ناطے سے یکجہتی' یگانگت' مساوات اور بھائی چارہ کی تعلیم دیتی ہے۔ جس سے انسان انسان کے درمیان باہمی منافرت اور جنگ و جدال ختم ہو کر اتحادِ انسانیت کی راہ پر ہموار ہوتی ہے۔ یہی وہ عملی توحید ہے جو انسانیت کی معراج ہے۔

چیست توحید اے کہ گوئی لا الٰہ
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ!

یہ تو تھا صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم۔ اب تمہید کو پیش نظر رکھتے ہوئے شعر کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ خرد یعنی عقل کی تنگ دامانی لا الٰہ الا اللہ کی وسعتوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے عقل و خرد کے اعتبار سے یا فلسفہ و منطق کے دلائل سے اگر کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو بھی جائے تو بھی اصل مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے شخص پر اس کلمہ کے صحیح اثرات مرتب نہیں ہو سکتے جب تک وہ قلب و روح کی گہرائیوں سے اس کلمہ کی حقیقت کو سمجھ کر اسے ادا نہ کرے اور جب تک اس کے دل و نگاہ میں یہ کلمہ رچ بس نہ جائے۔

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
نگہ کی نامسلمانی سے فریاد!

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ انسانی عقل محدود ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ حقیقتِ مطلقہ کا علم الیقین ہمیں دے سکتی ہے مگر یقین کے اعلیٰ درجات یعنی عین الیقین اور حق الیقین ہمیں عقل عطا نہیں کر سکتی۔ حسن حقیقی کے قرب کی لذتوں سے آشنا کرنا عقل کے بس کی بات نہیں۔ یہ صرف عشق کا کام ہے۔ علامہ کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں!

علامہ کے نزدیک جن حضرات نے عقلی اور منطقی دلائل سے ذات باری تعالیٰ کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جنھوں نے خرد سے لاالٰہ پڑھا ہے۔۔۔۔ان کے سرخیل بو علی سینا اور امام فخرالدین رازی ہیں جنھوں نے عقلی دلائل کے انبار لگا دیئے۔ دوسرے طبقہ کے لوگ جنھوں نے حقیقتِ مطلقہ تک عشق و محبت کے ذریعے رسائی حاصل کی یعنی جنھوں نے دل و نگاہ سے کلمہ پڑھا ہے ان کے پیشرو مولانا جلال الدین رومی، حکیم سنائی اور خواجہ عطار وغیرہ ہیں علامہ کے نزدیک پہلے طبقہ کے لوگ حقیقت مطلقہ تک نہیں پہنچ سکے بلکہ راستہ میں ہی اپنے عقلی دلائل کی دھول میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسکے برعکس مولانا روم اور ان کے رفقاء نے معشوق حقیقی یعنی معبود برحق کے پردۂ محمل کو پکڑ لیا ہے۔

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومی پردۂ محمل گرفت!!

ایک حکایت مشہور ہے کہ امام رازی کے پاس نزع کے عالم میں شیطان آیا اور اس نے وجود باری تعالیٰ کے ثبوت میں امام موصوف سے دلائل طلب کئے۔ امام رازی نے جو عقلی دلائل کے بادشاہ تھے اپنے دلائل دینے شروع کئے مگر شیطان ان کی ہر دلیل کو رد کرتا چلا گیا یہاں تک کہ جب امام رازی ایک سو دلائل دے چکے اور وہ سارے کے سارے شیطان لعین نے رد کر دیئے تو پھر گھبرا گئے۔ قریب تھا کہ شیطان ان کے ایمان کو ضائع کرنے کا موجب بن جاتا کہ اللہ نے ان کی دستگیری فرمائی اور بالآخر انہوں نے تمام عقلی و منطقی دلائل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پورے یقین و ایقان کے ساتھ یہ بات کہی کہ میں اللہ کو اس لئے مانتا ہوں کیونکہ کائنات کے صادق ترین انسان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وجود کی ہمیں شہادت دی ہے۔ اس دلیل کا شیطان کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور اس طرح امام رازی اپنا ایمان سلامت لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

اس حکایت سے علامہ اقبال کے اس شعر کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے کہ محض

عقل سے لاالٰہ الااللہ کہنا کچھ بھی سودمند نہیں۔ اسی لئے وہ فرماتے ہیں۔

ع جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی

نیز یہ کہ

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات!!

حکیم الامت اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے تمام نوجوانانِ ملت کو یہ تلقین کرتے ہیں :

لا الٰہ گوئی؟ بگو از روئے جان
تا ز اندامِ تو آید بوئے جان!!

یعنی اے بیٹے اگر تو لاالٰہ کہتا ہے تو پھر اپنے قلب و روح کی گہرائیوں سے ایسا کہہ۔ تاکہ تیرے انگ انگ اور روئیں روئیں سے زندگی کے فوارے پھوٹ پڑیں۔

مگر قلب و روح کی گہرائیوں سے لاالٰہ پڑھنا کوئی آسان کام نہیں۔

چوی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!!

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب کبھی بھی دل کی گہرائیوں سے پورے شعور کے ساتھ کلمہ لاالٰہ الااللہ کی شہادت دی گئی تو اس کا استقبال کبھی دار و رسن سے کیا گیا، کبھی طوق و سلاسل سے، کبھی ننگی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے، کبھی جسم کی کھال ادھیڑی گئی، کبھی آرے سے جسم کے دو ٹکڑے کردیئے، کبھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا گیا، کبھی تپتی ریت پر سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھسیٹا گیا اور کبھی کربلا کی تپتی ریت پر شہادت کے خون سے اس کلمۂ حق کی آبیاری کی گئی مگر مردانِ حق اور شہسوارانِ راہ عشق نے ان تمام مصائب کو جھیل کر اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے اس کلمہ کو بلند کیا۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!!

☆☆☆